مولانا محمد حنیف ندوی

فتنہ وضع حدیث اور محدثین کی مساعی جمیلہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان خون ریز لڑائیوں سے جہاں مصالح ملی کو شدید نقصان پہنچا، وہاں سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ مسلمان مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے، اور ہر گروہ نے یہ چاہا کہ اپنے مسلک اور خواہشات و آراء کی تائید کے لیے احادیث اور سنت رسول سے مدد لے، اور یہ ظاہر ہے کہ صحیح احادیث کے ذریعے چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ ہر گمراہی اور بدعت کو حق بجانب ثابت کیا جا سکے، اس لیے وضع حدیث کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ متعدد حلقوں میں اس کام کا آغاز ہوا۔ عراق اس بارے میں زیادہ بدنام ہے۔ زہری کہا کرتے تھے کہ ہمارے ہاں جو حدیث ایک بالشت کی ہوتی ہے، وہ عراق میں پہنچ کر گز بھر کی ہو جاتی ہے۔ امام مالک اسی وجہ سے عراق کو دارالضرب یا ٹکسال کہا کرتے تھے، جہاں حدیثیں گھڑی اور وضع کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے فضائل اشخاص کے بارے میں احادیث میں تحریف و تبدل کا عمل شروع ہوا۔ شیعی دائرے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب اور ان کے استحقاق خلافت سے متعلق احادیث وضع کی گئیں، اور سنی حضرات نے جواب آں غزل کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل اور استحقاق خلافت کے بارے میں حدیثیں وضع کیں۔ حالاں کہ یہ بزرگ، ان کی خوبیاں، فضائل اور درجہ و مرتبہ کی بلندی، ایسی چیزیں نہ تھیں کہ جھوٹ اور کذب کی مرہون منت ہوتیں۔ ان کے کارنامے، ان کی بصیرت، علم و تقویٰ روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور تاریخ کے اوراق میں درج ہیں۔ وضع حدیث کی سازش میں متعدد عناصر نے حصہ لیا، لیکن ان میں سر فہرست زنادقہ ہیں۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان تمام عناصر اور عوامل کی نشان دہی کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جنھوں نے اس فتنے کو بھڑکایا اور وضع حدیث کے منصوبے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

زنادقۂ فارس

ابنائے فارس کے دلوں میں اس وقت آتش انتقام بھڑکی جب انھوں نے دیکھا کہ اسلام نے انھیں ہر میدان میں شکست دی ہے اور لوگ فوج در فوج اسلام کے پرچم تلے جمع ہو رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لیے عساکر اسلام کا مقابلہ آسان نہ تھا، اور نہ یہ ممکن تھا کہ اسلام کی فائق تر تہذیب کے مقابلے میں مجوسیت کو کھڑا کیا جائے۔ اس لیے یہ لوگ اپنے مستقبل کے بارے میں بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ اسلام کے خدوخال کو بگاڑا جائے اور اس میں داخل ہو کر اس پر وار کیا جائے۔ آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کی دو ہی صورتیں ان کے سامنے تھیں۔ یا تو یہ کہ قرآن حکیم سے تعرض کیا جائے اور اس میں تحریف و تبدل کی کوئی تدبیر اختیار کی جائے لیکن یہ اس لیے ممکن نہ تھا کہ قرآن محفوظ تھا، اور ہزاروں سینے اس کی ضو فشانیوں سے منور تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ احادیث کو اپنے مشئوم ارادوں کا ہدف ٹھہرایا جائے۔ یہ کام انھیں نسبتاً زیادہ سہل معلوم ہوا۔

انھوں نے کس نوع کی احادیث گھڑیں۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایات سے کیجیے:

خلق اللہ الملائکۃ من شعر ذراعیہ وصدرہ۔

اللہ نے فرشتوں کو اپنے سینے اور بازو کے بالوں سے پیدا کیا۔

ان اللہ اشتکت عیناہ فعادتہ الملائکۃ۔

اللہ تعالیٰ آشوبِ چشم میں مبتلا ہوا تو فرشتوں نے عیادت کی۔

ان اللہ لما خلق الحروف سجدت الباء ووقفت الالف۔

اللہ نے جب حروف کو پیدا کیا تو ب نے سجدہ کیا اور الف کھڑا ہو گیا۔

النظر الی الوجہ الجمیل عبادۃ۔

حسین چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس نوع کی مضحکہ خیز احادیث کو سن کر اسلام سے متنفر ہو جائیں اور اس کا مذاق اڑائیں۔

انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عقائد، اخلاق، حلال و حرام اور طب کے

بارے میں بھی سینکڑوں روایات کو اسلامی حلقوں میں رواج دینے کی کوشش کی۔ خلیفہ مہدی کے سامنے ایک زندیق نے اعتراف کیا کہ اس نے ایک سو کے لگ بھگ حدیثیں وضع کی اور پھیلائی ہیں۔ ابن العوجا کو جب قتل کیا جانے لگا تو اس نے کھلے بندوں اقرار کیا کہ اس نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں، جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ کم بخت نے مرتے وقت بھی جھوٹ بولا ہے تاکہ محدثین کے حلقوں میں احادیث و روایات کے بارے میں عدم اطمینان کی لہر دوڑ جائے۔ بالآخر کچھ لوگ پکڑے گئے اور مارے گئے۔

عبدالکریم ابن العوجا کو امیر بصرہ محمد بن سلیمان نے قتل کیا، بیان بن سمعان المہدی کو خالد بن عبداللہ القسری نے موت کے گھاٹ اتارا، اور محمد بن سعید المصلوب کو ابوجعفر المنصور نے موت کی سزا دی۔

واعظ و قصاص

وضع و افترا کے عمل کو واعظوں اور قصہ گوؤں کے طرزِ عمل سے بھی تقویت پہنچی۔ ان لوگوں کے دل خوفِ خدا سے خالی تھے، یہ شہرت کے بھوکے تھے۔ ان کا مشغلہ یہ تھا کہ مختلف مقامات پر مجالس آراستہ کریں، اور لوگوں کو عجیب و غریب حدیثیں سنا سنا کر کبھی رلائیں اور کبھی ہنسائیں۔ یہ جھوٹ بولنے میں کس درجہ جسور تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین نے رصافہ میں نماز ادا کی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک واعظ ان کے حوالے سے عبدالرزاق پر مشتمل ایک حدیث بیان کر رہا ہے۔ دونوں نے ازراہِ حیرت ایک دوسرے کی طرف دیکھا —— جب مجلسِ وعظ سے واعظ صاحب فارغ ہوئے تو یحییٰ بن معین نے کہا: میں یحییٰ ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم دونوں نے نہ اس اس حدیث کو کبھی سنا اور نہ دیکھا۔ اس پر اس نے کہا، کیا دنیا میں تم ہی یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہو۔ میں نے سترہ ایسے اشخاص سے روایت کی ہے، جن کا نام یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے۔

سیوطی نے تحذیر الخواص عن اکاذیب القصاص میں تفصیل سے بتایا ہے کہ واعظ

اور قصہ گو حضرات کیا کیا جھوٹ بولتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے ایک صاحب کے بارے میں کہا ہے کہ وہ عَسٰی اَنْ یَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر یوں بیان کرتا تھا کہ مقامِ محمود سے مراد عرشِ الٰہی ہے، اور یبعثک سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرتؐ خدا کے ساتھ عرش پر بیٹھیں گے۔

محمد بن جریر الطبری کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور اپنے گھر کے دروازے پر لکھ دیا:

سبحان لیس لہ انیس ولا لہ علی عرشہ جلیس۔

یعنی خدا پاک ہے، نہ تو اس کا کوئی انیس ہے اور نہ عرش پر اس کے ساتھ کوئی بیٹھنے والا ہے۔

اس پر بغداد کے عوام نے ان کے مکان پر سنگ باری کی اور سخت احتجاج کیا۔

عباد و صلحا

ان لوگوں نے نیک نیتی کے ساتھ حدیثیں وضع کیں۔ ان کا خیال تھا کہ لوگ چونکہ دین سے دُور ہو چکے ہیں، دلوں میں گداز نہیں رہا، اور غفلت اور دنیا کی محبت نے آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں، اس لیے ایسی احادیث وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جن سے لوگوں میں عبادت وطاعت کا جذبہ اُبھرے، رقت و گداز پیدا ہو اور لوگ پھر سے اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ترغیب و ترہیب اور رقاق سے متعلق کثرت سے روایات وضع کیں۔ ان سے جب کہا جاتا کہ آنحضرتؐ نے کذب و افترا سے روکا ہے، اور فرمایا ہے:

من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

جس نے میرے بارے میں جھوٹ بولا اس کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے۔

تو اس کے جواب میں یہ کہتے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی مخالفت نہ کی جائے، نہ یہ ہے کہ دینی مصالح کے پیش نظر ایسی حدیثیں وضع نہ کی جائیں جن سے دلوں میں خدا کا خوف اور تقویٰ پیدا ہو، لوگ دین کی طرف لوٹیں اور دنیائے دوں سے متنفر ہوں۔

ان وضاعین میں سے ایک نوح ابن مریم تھا جس نے اعتراف کیا کہ اس نے قرآن کے فضائل کے بارے میں حدیثیں گھڑی ہیں، اور ایک ایک سورت سے متعلق بتایا ہے کہ ان کی تلاوت

سے کس درجہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو اس کا کہنا تھا کہ میں نے جب دیکھا کہ لوگ فقہ ابوحنیفہؒ اور مغازی ابن اسحاق پر فریفتہ ہو رہے ہیں، اور قرآن کی تعلیمات سے غافل ہیں تو میں نے نیک نیتی سے ایسی احادیث گھڑیں اور پھیلائیں کہ جن سے لوگوں کے دلوں میں قرآن سے شغف اور لگاؤ پیدا ہو۔

ایک اور بہت بڑے عابد و صوفی غلام خلیل تھے، جو لوگوں میں اس درجہ مقبول تھے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو بغداد کے تمام بازار ان کے سوگ میں بند ہو گئے۔ انھوں نے اوراد و اذکار سے متعلق احادیث وضع کیں۔ اس سلسلے میں ان کا عذر بھی یہی تھا کہ انھوں نے دلوں میں تقویٰ و رقت پیدا کرنے کی غرض سے ایسا کیا ہے۔

یہ لوگ اسلام کے نادان دوست تھے، اور یہ نہیں جانتے تھے کہ وضع حدیث کا جرم کتنا گھناؤنا ہے اور اس سے احادیث کی صحت و استناد سے متعلق کس درجہ شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔

متعصبین

یہ وہ لوگ تھے جو عصبیت کے روگ میں مبتلا تھے۔ شعوبیوں نے عربی کی مخالفت میں اس نوع کی حدیثیں گھڑیں:

ان اللہ اذا غضب انزل الوحی بالعربیۃ واذا رضی انزل الوحی بالفارسیۃ۔

خدا جب ناراض ہوتا ہے تو عربی میں وحی نازل کرتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو فارسی میں وحی نازل کرتا ہے۔

جن لوگوں کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ غلو کی حد تک محبت تھی، انھوں نے یہ حدیث وضع کی:

سیکون رجل فی امتی یقال لہ ابوحنیفۃ ھو سراج امتی۔

میری امت میں ایک شخص ابوحنیفہ نامی ہوگا، جو میری امت کے لیے چراغ راہ ثابت ہوگا۔

شوافع کے مخالفین نے اس انداز کی احادیث پیش کیں:

سیکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس ھو احضر علی امتی عن ابلیس۔

میری امت میں ایک شخص محمد بن ادریس پیدا ہوگا، جو میری امت کے حق میں ابلیس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوگا۔

اسی طرح کی احادیث مختلف شہروں، قبیلوں اور زبانوں کے بارے میں بھی گھڑی گئیں۔ علمائے حق نے ان سب موضوعات کی نشان دہی کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کو کن لوگوں نے وضع کیا اور کن عوامل سے متاثر ہو کر وضع کیا۔

جاہل فقہا اور متکلمین

فقہی اور کلامی اختلافات نے بھی جاہل اور فاسق فاجر متکلمین کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے اپنے عقائد و نظریات کی تائید کے لیے موضوع احادیث کی آڑ لیں۔ چنانچہ جو لوگ اس بات کے قائل تھے کہ نماز میں رفع الیدین ممنوع ہے، انھوں نے یہ حدیث گھڑی۔

من رفع یدیہ فی الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ لہٗ۔

جس نے نماز میں رفع الیدین کیا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

خلقِ قرآن کے مسئلے میں محدثین اور معتزلہ میں شدید اختلاف رائے رونما تھا۔ محدثین اس بات کے قائل تھے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے، اور معتزلہ خلقِ قرآن کے حامی تھے۔ محدثین اور معتزلہ میں اس سلسلے میں علمی معرکہ آرائیاں بھی ہوئیں، جن میں محدثین کا پلڑا بھاری رہا۔ مسئلہ اصولی تھا اور اپنی آغوش میں خاصے دلائل رکھتا تھا لیکن ان دلائل پر اکتفا کرنے کے بجائے بعض جہلا نے اس نوع کی احادیث وضع کرنا شروع کر دیں:

من قال القراٰن مخلوق فقد کفر۔

جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہو گیا۔

سیجئی اقوام من امتی یقولون القراٰن مخلوق فمن قال ذٰلک فقد کفر باللہ العظیم وطلقت منہ امرأتہٗ من ساعتھا۔

عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کو مخلوق قرار دیں گے، ایسا کرنے سے وہ کفر کے مرتکب ہوں گے اور ان کی عورتوں پر اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔

متملقین

اس گروہ نے خلفا کی خوشنودی مزاج کے لیے حدیثیں وضع کیں، تاکہ انھیں انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ خلیفہ مہدی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ کبوتر بازی میں مشغول تھا کہ اتنے میں غیاث بن

ابراہیم آئے اور انھوں نے کبوتر بازی کی تائید میں ایک مشہور حدیث میں اضافہ کیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ کبوتر بازی جائز ہے خلیفہ رشید کے قاضی ابوالبختری کذاب نے یہاں تک کہہ دیا کہ معاذ اللہ!

ان النبی کان یطیر الحمام۔

آنحضرتؐ کبوتر اڑایا کرتے تھے۔

اس پر خلیفہ سخت ناراض ہوا اور کہا :

اخرج عنی لولا انک من قریش لعزلتک۔

میرے ہاں سے نکل جاؤ، تم اگر قریش سے تعلق نہ رکھتے تو میں تمھیں معزول کر دیتا۔

خلیفہ مہدی نے اس کے برعکس یہ جانتے ہوئے بھی کہ غیاث جھوٹ بول رہا ہے، اسے دس ہزار درہم بطور انعام کے دیئے۔

مقاتل بن سلیمان البلخی نے تو مہدی کے سامنے باقاعدہ یہ تجویز رکھی کہ اگر آپ چاہیں تو میں عباس اور اس کے بیٹوں کے فضائل سے متعلق احادیث وضع کروں۔ مہدی نے جواب میں کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

دراصل بعض خلفا نے بڑے تساہل سے کام لیا، اگر یہ لوگ ان کے جرائم سے چشم پوشی اختیار نہ کرتے تو وضع حدیث کا فتنہ نہ پھیلتا۔ اللہ بھلا کرے محدثین کا، انھوں نے اپنے فرض کو پہچانا اور کذب و افترا کے اس طوفان کو روکنے کی پوری پوری کوشش کی، اور یہ انھی کی مساعی جمیلہ کا فیض ہے کہ صحیح احادیث کا ذخیرہ موجودہ نسلوں تک پہنچ پایا۔

محدثین نے ہر ہر دور میں اس بات کا خیال رکھا کہ وضع حدیث کے فتنے کی روک تھام کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ جس پر فخر کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ انھوں نے حدیث کی چھان بین اور نقد و تفحص کے سلسلے میں خالص علمی انداز کی طرح ڈالی، جس کی دوسری قوموں کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے جن پیمانوں اور معیاروں کو حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے پیش کیا، وہ یہ ہیں :

ا۔ اسناد۔ صحابہ آنحضرتؐ سے بلا محابہ حدیث روایت کرتے تھے، اور اس میں کوئی بھی شبہ کا اظہار نہیں کرتا تھا، کیونکہ ان کا دامن کذب و افترا کی آلائشوں سے پاک تھا، تابعین بھی ہر اس

روایت کو بلا کسی جھجک اور تامل کے قبول کر لیتے تھے، جو صحابہ سے مروی ہو۔ لیکن جب فتنوں کا آغاز ہوا اور لوگ گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے اور تعصب اور حمیت جاہلیہ نے بعض لوگوں کو جھوٹ اور وضع پر آمادہ کیا، تو احتیاط و تحفظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ابن سیرین کا کہنا ہے، پہلے اسناد کا رواج نہیں تھا، لیکن جب فتنوں نے سر اٹھایا تو صحابہ و تابعین نے حدیث کے معاملے میں زیادہ تثبت و احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا، اور جب تک یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ راوی کون ہے؟ کس پایہ کا ہے؟ اور اس کی دینی حالت کیسی ہے؟ اس وقت روایت کو قبول نہ کیا جاتا۔

راوی کے متعلق خصوصیت سے یہ جاننا ضروری ہو گیا کہ اس کا تعلق اہل بدعت و ہویٰ سے تو نہیں ہے؟ صحابہ اس باب میں کس درجہ محتاط تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ ایک مرتبہ بشیر العدوی حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس آئے اور ایک حدیث سنانا شروع کی لیکن اس پر حضرت ابنِ عباس مطلقاً متوجہ نہ ہوئے۔ بشیر العدوی نے کہا، یہ کیا بات ہے کہ میں حدیثِ رسول سنا رہا ہوں اور آپ اس کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔ حضرت ابنِ عباس نے جواب میں فرمایا:

اذا سمعنا رجلاً یقول قال رسول اللہ ابتدرتہ ابصارنا و اصغینا الیہ باذاننا فلما رکب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا ما نعرف۔

پہلے ہماری حالت یہ تھی کہ جب کوئی حدیثِ رسول بیان کرتا، بے اختیار ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتیں اور کان متوجہ ہو جاتے، لیکن جب لوگوں نے حدیث کے معاملے میں عدم احتیاط سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے مناسب سمجھا کہ صرف انہی احادیث کو قبول کریں جو ہماری جانی پہچانی ہیں۔

تثبت و احتیاط کے اسی اصول کو تابعین نے اختیار کیا، ان کے سامنے جب کوئی محدث بیان کرتا تو یہ اسناد کا مطالبہ کرتے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے جب تک صحابہ سے براہ راست اس کی تصدیق نہ کر لیتے۔ زہری کا قول ہے:

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال فیہ من شاء بما شاء۔

اسناد کا معلوم کرنا دین کا خاصہ ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو پھر ہر شخص حدیث کو جس طرح چاہے بیان کرے گا۔

ابن المبارک کا کہنا ہے:

بیننا و بین القوم القوائم یعنی الاسناد۔

ہم میں اور ان واضعین میں اسناد کا فرق ہے۔ یعنی ہم اسناد کا التزام کرتے ہیں اور یہ اسناد کی پروا کیے بغیر سنی سنائی حدیثیں بیان کر دیتے ہیں۔

۲۔ توسق۔ وضع و کذب کے فتنہ کے بعد صحابہ، تابعین اور ائمہ حدیث زیادہ چوکس ہو گئے۔ ایک ایک حدیث کی تلاش و تفحص کے لیے باقاعدہ سفر کرنے کا آغاز ہوا۔ لوگ اس وقت تک کوئی حدیث یا اثر قبول نہیں کرتے تھے، جب تک صحابہ اور تابعین کی طرف رجوع کر کے اس کی تصدیق نہ کر لیں۔ جابر بن عبداللہ ایک حدیث معلوم کرنے کے لیے شام پہنچے، اور ابو ایوب نے مصر تک کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بشر بن عبداللہ الحضرمی کا کہنا ہے کہ میں طلب حدیث کی خاطر ایک شہر سے دوسرے شہر تک گھومتا پھرا۔ مشہور صحابی ابو درداء کہتے ہیں کہ جب میں کسی آیت کے سمجھنے میں اشکال محسوس کرتا، اور مجھے معلوم ہوتا کہ برالغماد میں کوئی صاحبِ علم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو میں سفر کر کے ان کے ہاں پہنچتا۔ بہت سے اسلاف سے مروی ہے کہ وہ ایک ایک حدیث کے لیے دور دراز علاقوں تک پہنچے۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ میں نے صرف ایک حدیث کی خاطر کئی دن اور راتیں سفر میں گزاریں۔ ابی قلابہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں محض اس لئے ٹھہرا رہا کہ ایک شخص سے ایک حدیث سنوں۔

طلب حدیث کے لیے سفر کرنے والے مختلف کیفیات کے حامل تھے، انھیں رحال اور جوال کے نام سے یاد کیا جاتا اور بوجہ غایت احترام سے یاد کیا جاتا۔

گولڈ زیہر نے تعصب کے باوجود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جن محدثین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے طلب حدیث کے جذبے سے متاثر ہو کر شرق و غرب کا سفر اختیار کیا۔ انھوں نے کسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔

۳۔ نقد رواۃ ! محدثین نے سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ رواۃ کو اچھی طرح جانچا اور پرکھا، یہ معلوم کیا کہ رواۃ میں کون صادق ہے، کون کاذب ہے، کون صحت و صواب کے پیمانوں کے مطابق ہے اور کس میں ضعف و اختلال ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے رجال کے حالات، سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کیا، اور بغیر کسی خوف لومۃ لائم کے ہر راوی کے بارے میں صحیح صحیح رائے کا اظہار کیا، اور اس بات کی قطعی پروا نہیں کی کہ کون کس درجہ شہرت کا مالک ہے، جو لوگ حدیث کے معاملے میں کذب و افترا کے مرتکب ہوئے، ان میں ایک ایک کی نشان دہی کی، اور ایسے قواعد وضع کیے جن کی روشنی میں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس سے اخذِ رواۃ کرنا چاہیے اور کون اس لائق ہیں کہ ان کی روات کو ترک کر دیا جائے۔

یحییٰ بن سعید القطان سے کہا گیا:

اما تخشیٰ ان یکون ھؤلاء الذین ترکت حدیثھم خصماءلک یوم القیمٰہ۔

کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ جن لوگوں کی روایت کو تم نے ترک کیا ہے وہ قیامت کے روز تم سے جواب طلبی کریں گے۔

ان کا جچا تلا جواب یہ تھا:

لان یکون ھؤلاء خصمی احب الی من ان یکون خصمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یقول لم لم تذب عن حدیثی۔

یہ لوگ مجھ سے جواب دہی کریں، اس سے کہیں بڑھ کر یہ ہے کہ آنحضرتؐ مجھ سے جواب دہی کریں، اور پوچھیں کہ تم نے میری حدیث کا دفاع کیوں نہیں کیا۔

کن لوگوں کی روایات قابلِ اخذ نہیں، محدثین نے ان کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ کذاب: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کذب و افترا سے کام لے کر آنحضرت کی طرف غلط احادیث کا انتساب کیا۔ اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے لوگوں کی روایات شائستہ اعتبار نہیں، نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے ایک نوع کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک جماعت نے ان کو قتل کا مستحق گردانا ہے۔ اس میں اختلاف رائے ہے کہ ان کی توبہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے۔ احمد بن حنبل اور ابو بکر الحمیدی بخاری کے شیخ کی رائے یہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی

ان کی روایات لائقِ قبول نہیں۔ امام نووی کا کہنا ہے کہ توبہ کے بعد ان کی روایات کو قبول کر لینا چاہیے۔

ابوالمظفر السمعانی کا قول ہے کہ جس شخص نے ایک حدیث میں بھی جھوٹ سے کام لیا اس کی تمام روایات ساقط الاعتبار ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو عام معاملات میں جھوٹ سے کام لیتے ہیں، اس بارے میں محدثین کے حلقوں میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ جس نے ایک مرتبہ بھی جھوٹ بولا اس کی روایت کردہ حدیث متروک ٹھہرے گی۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ چار اشخاص کی روایت ساقط الاعتبار ہے:

جو سفیہ یا بے وقوف ہو

جو عام معاملات میں جھوٹ بولے۔

جو صاحبِ بدعت ہو اور بدعت کا داعی ہو۔

وہ شیخ جو اگرچہ زہد و تقویٰ میں شہرت رکھتا ہو، لیکن حدیث کو نہ پہچانتا ہو۔

(۳) اصحابِ اہوا و بدعت! اس طبقے کی طرف محدثین نے خاص توجہ مبذول کی۔ اس سلسلے میں ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر اہلِ بدعت کی روایت مسترد کر دینے کے قابل ہے یا اس میں داعی اور غیر داعی کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو حدیث کے معاملے میں کذب و افترا کو جائز سمجھتا ہے، دوسرا ایسا ہے جو اپنے مسلک و ایمان کے مطابق جھوٹ بولنے کو اکبرالکبائر گردانتا ہے۔ کیا ان دونوں میں امتیاز روا رکھا جائے گا یا نہیں؟ جہاں تک داعی اور غیر داعی کا تعلق ہے محدثین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اگر وہ ثقہ اور صادق ہے اور اس کی روایت محدثین کی شرائط کے مطابق ہے تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے ابن حطان کی روایت نقل کی ہے۔ حالانکہ وہ کٹر خارجی تھا۔ امام شافعی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ خطابیہ کے سوا دوسرے اہلِ اہوا کی روایت بشرطِ صحت قبول کی جائے گی۔ امام عبدالقادر بغدادی نے "الفرق بین الفرق" میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری نے آخر میں اس رائے سے رجوع کر لیا تھا اور

یہی صحیح بھی ہے۔ اہلِ بدعت کی روایت اس وقت خصوصیت سے مسترد کردینے کے لائق ہوگی جب اس سے اس کے مسلک و خواہشات کی تائید ہوتی ہو۔ رہا دوسرا گروہ جو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولنے سے احتراز نہیں کرتا تو اس کی رائے بالاتفاق مسترد کردینے کے لائق ہے۔

۴۔ فساق اور مغفلین ۔ مغفل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو فہم حدیث پر قادر نہیں اور ان میں ضبط و اتقان اور عدالت و مروّت کی صفات پائی نہیں جاتیں۔ حافظ ابن کثیر کا کہنا ہے کہ مقبول راوی وہ ہے جو مسلم، عاقل، بالغ اور غیر مغفل ہو۔ اسی طرح جو لوگ فسق و فجور کے عادی ہیں ان کی روایت بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔ وضع و افترا کے دروازوں کو بند کرنے اور اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے محدثین نے دو عظیم الشان اقدامات کیے۔ ایک یہ کہ حدیث کے مراتب و درجات کی تعیین کردی۔ یہ بتایا کہ صحیح حدیث کون ہوتی ہے حسن کسے کہتے ہیں، اور ضعیف کا اطلاق کن روایات پر ہوتا ہے اور ان کی اقسام اور شاخیں کیا کیا ہیں، اور اس علم کو اس دقتِ نظر، ژرف نگاہی اور جامعیت سے ترتیب دیا کہ اس کے بعد کسی شخص کے لیے یہ امکان باقی نہیں رہا کہ آنحضرتؐ کے بارے میں غلط بات کہے اور محدثین کے حلقوں سے اوجھل رہے، یا وہ اسلامی معاشرے میں آسانی سے پذیرائی حاصل کرسکے۔

دوسرے یہ کہ وضع و افترا کی علامات کو استیعاب کے ساتھ بیان کردیا تاکہ ان کی روشنی میں بیک نظر معلوم ہوسکے کہ کون روایات اصلی، صحیح اور درست ہیں اور کون ایسی ہیں جو زنادقہ اور اہلِ اہوا کے فکر و نظر کی کجی کا نتیجہ ہیں۔

وضع و افترا کا عمل سند میں بھی رونما ہوا ہے اور متن میں بھی۔ سند میں جو علائم وضع و کذب پر دلالت کناں ہیں ان میں اہم یہ ہیں:

۱۔ راوی کذب میں مشہور ہو اور کوئی ثقہ راوی اس کی مرویات کی تائید نہ کرے۔ محدثین نے اس نوع کے ایک ایک کذاب کا تعاقب کیا ہے اور ان کی تاریخ و سیرت پر باقاعدہ روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ راوی خود اعتراف کرے کہ اس نے حدیثیں گھڑی ہیں اور ان کو عوام میں پھیلا

کوشش کی ہے جس طرح کہ نوح بن ابی مریم نے کہا کہ اس نے سورتوں کے فضائل کے بارے میں حدیثیں وضع کی ہیں، یا عبدالکریم بن ابوالعوجا نے تسلیم کیا کہ اس نے چار ہزار ایسی جھوٹی حدیثیں اسلامی معاشرے میں پھیلائی ہیں، جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ کوئی راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی، یا وہ پیدا ہی اس کی وفات کے بعد ہوا ہے، جیسے مامون بن احمد الہروی نے کہا کہ اس نے ہشام بن عمار سے یہ حدیث سنی ہے، اس پر حافظ ابن حبان نے پوچھا تم شام کب گئے۔ اس نے کہا، دو سو پچاس ہجری میں۔ اس پہ انھوں نے کہا وہ تو دو سو پینتالیس ہجری میں فوت ہو چکے تھے۔ یا جیسے عبداللہ بن اسحاق الکرمانی نے محمد بن ابی ایوب سے روایت کی اس پہ کہا گیا کہ وہ تو تمھاری پیدائش سے نو سال پہلے انتقال کر چکے تھے۔

اس قسم کے کذب کو پہچاننے کے لیے رواۃ کی تاریخ ولادت کا جاننا ضروری ہے۔ حفص بن غیاث الغازی کا کہنا ہے کہ جب تم کسی راوی کو متہم قرار دو تو اس سے تاریخ ولادت کا مطالبہ کرو۔

رواۃ کے بارے میں نقد و تفحص کا یہ علم دراصل ضرورت کی بنا پر پیدا ہوا۔ سفیان ثوری نے بہت صحیح کہا ہے کہ جب لوگوں نے کذب و افترا سے کام لینا شروع کیا تو ہمارے لیے ناگزیر ہو گیا کہ ہم ان سے تاریخ و سنین کا مطالبہ کریں اور پوچھیں کہ تم پیدا کب ہوئے ہو یا تم نے شیخ سے کب سماع کا شرف حاصل کیا؟

۴۔ کبھی کبھی راوی کی نفسیاتی کمزوریوں سے یا اس کے پیشے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے حدیثِ رسول کے بارے میں وضع و افترا سے کام لیا ہے۔ سیف بن عمر التمیمی کا کہنا ہے کہ ہم سعد بن طریف کے ہاں بیٹھے تھے کہ اتنے میں اس کا لڑکا روتا ہوا آیا اور شکایت کی کہ معلم نے اسے پیٹا ہے۔ اس پر اس نے کہا، میں آج ہی اس سے انتقام لیتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے یہ حدیث گھڑی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

معلمو صبیانکم شرارکم اقلھم رحمۃ۔

تمہارے بچوں کو پڑھانے والے شریر ہوتے ہیں اور ان میں رحم و محبت کا جذبہ کم تر ہوتا ہے۔

محمد بن الحجاج النخعی ہریسہ بیچا کرتے تھے۔ انھوں نے حدیث گھڑ لی کہ:

الھریسۃ تشد الظھر۔

ہریسہ پیٹھ کو مضبوط بناتا ہے۔

محدثین نے متن میں بھی وضع و افترا کی علامتوں کی نشان دہی کی ہے۔ مثلاً:

۱۔ رکاکتِ الفاظ: اس کے معنی یہ ہیں کہ احادیث کے الفاظ پر غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آیا یہ اس مرتبہ فصاحت و بلاغت پر فائز ہیں کہ ان کا انتساب آنحضرتؐ کی طرف کیا جائے۔ اگر الفاظ ایسے ہوں کہ عام آدمی بھی جو عربی زبان کے اسلوب و انداز سے واقف ہے، ان کے استعمال سے شرماتا ہو تو کیوں کر ممکن ہے کہ ایسے رکیک جملوں کو آنحضرتؐ کا کلام قرار دیا جائے جو افصح العرب تھے۔

ابن حجر نے اس سلسلے میں اس وضاحت کو ضروری سمجھا ہے کہ وضع کی یہ صورت اس وقت وقوع پذیر ہوگی جب روایت باللفظ ہو۔ اگر روایت بالمعنیٰ ہو تو پھر سند پر غور کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ اس میں کس درجہ استحکام و استواری پائی جاتی ہے۔

الفاظ اور اسلوبِ بیان سے قطع نظر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ محدثین جنھوں نے احادیث کے مطالعہ میں عمریں کھپائی ہیں اور احادیث کے مزاج و نہج سے آشنائی حاصل کی ہے، اس ملکہ کی بنا پر جو ان میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے، حدیث کو سن کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ آنحضرتؐ نہیں فرما سکتے۔

البلقینی نے اس کو ایک مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے، اُن کا کہنا ہے کہ فرض کیجیے ایک شخص کئی برس تک کسی کی خدمت میں رہتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مخدوم کن چیزوں کو پسند کرتا ہے اور کن چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص اس کے تجربے کے خلاف کوئی بات بیان کرتا ہے تو وہ فوراً اس کو جھٹلا دے گا۔ ٹھیک اسی طرح جو شخص نبوت کے تیور پہچانتا ہے، آنحضرتؐ کی عادات و شمائل سے واقف ہے، اور احادیث کی صحت و سقم سے باخبر ہے، اس قابل ہو جاتا ہے کہ بیک نظر بھانپ لے کہ جو حدیث بیان کی گئی ہے یہ کہاں تک

ملانے کا استحقاق رکھتی ہے۔

۲۔ فسادِ معنی! اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کو عقل و خرد کے پیمانے قبول نہ کریں
ن کی کوئی معقول تاویل نہ کی جا سکے۔ جیسے یہ مشہور ہے کہ حضرت نوح کی کشتی نے سات
بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے قریب دو رکعت نماز ادا کی۔ ایسی حدیث بھی
دع ہو گی جو شہوت کے جذبات کو اکسانے والی ہو جیسے یہ کہ:

النظر الی الوجہ الحسن یجلی البصر۔

حسین چہرے پر نظر ڈالنے سے آنکھوں میں جلا پیدا ہوتی ہے۔

حس و مشاہدہ کے خلاف بھی یار لوگوں نے حدیثیں گھڑی ہیں۔ جیسے:

لا یولد بعد المائۃ مولود عند اللہ فیہ حاجۃ۔

ایک صدی کے بعد اللہ تعالیٰ کو کسی مولود کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایسی احادیث بھی وضع و افترا کے حکم میں داخل ہیں جو طب کے مسلمہ اصولوں کے
خلاف ہوں۔ جیسے:

الباذنجان شفاء من کل داء۔

بینگن ہر بیماری کا علاج ہے۔

فسادِ معنی میں وہ واقعات بھی آتے ہیں جو قطعیات تاریخ اور سنت اللہ کے منافی
ہیں، جیسے یہ حدیث ہے کہ عوج بن عنق کا قد تین ہزار ذراع تھا اور طوفانِ نوح صرف
اس کے ٹخنوں تک ہی پہنچ پایا تھا، اور یہ کہ جب اسے بھوک ستاتی تو دو ہاتھ ڈالتا، اور سمندر
میں سے ایک مچھلی پکڑ لیتا اور سورج کی تپش سے بھون لیتا۔

بعض خرافات کو بھی بعض لوگوں نے حدیث کا نام دیا ہے۔ مثلاً یہ

الدیک الابیض حبیبی و حبیب حبیبی جبریل۔

سفید مرغ میرا دوست ہے اور میرے دوست کا دوست جبریل ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے اس سلسلے میں ایک صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ

کل حدیث رایتہ تخالفہ العقول و تناقضہ الاصول و یتا بینۃ النقول فاعلم

انہ موضوع۔

ہر وہ حدیث جس کو تم دیکھو کہ عقول سلیمہ کے منافی ہے، اصول صحیحہ کے خلاف ہے اور نقول و نصوص سے متناقض ہے تو جان لو کہ یہ موضوع ہے۔

۴۔ تصریحاتِ قرآن کی مخالفت! وضع و افترا کی ایک اہم پہچان یہ ہے کہ حدیث تصریحاتِ قرآن کے خلاف ہو، اور اس کو کسی محمل پر محمول نہ کیا جا سکے، جیسے یہ حدیث ہے:

ولد الزنا لا یدخل الجنۃ الی سبعۃ ابناء۔

ولد الزنا سات پشتوں تک جنت میں نہیں جائے گا۔

حالانکہ قرآن میں ہے

ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اسی طرح جو حدیث سنت متواترہ کے خلاف ہو وہ بھی موضوع قرار دی جائے گی۔ مثلاً ایک حدیث یہ بیان کی جاتی ہے:

اذا حدثتم عنی حدیثاً یوافق الحق فخذوا بہ حدثت بہ ام لم احدث۔

جب کوئی حدیث میری طرف منسوب کی جائے، اور وہ حق کے موافق ہو تو اسے قبول کر لو، چاہے میں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو۔

یہ اس متواتر حدیث کے خلاف ہے:

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

جس شخص نے میری نسبت جھوٹ بولا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث قرآن و حدیث کی روح کے خلاف ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے:

من ولد لہ ولد فسماہ محمداً کان ھو ومولودہ فی الجنۃ۔

جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ اس کا نام محمد رکھے تو وہ اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اسلام نے نجات کی بنیاد اعمال و عقائد پر رکھی ہے اسماء والقاب پر نہیں۔

۴۔ حقائق تاریخی کی مخالفت! سعد بن سفیان اور معاویہ بن ابی سفیان کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اہلِ خیبر پر جزیہ عائد کیا، حالانکہ خیبر کے زمانے میں جزیے کا تقرر نہیں ہوا، بلکہ جزیہ کی آیت عام تبوک کے بعد نازل ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ سعد بن معاذ اس سے پہلے غزوۂ خندق میں فوت ہو چکے تھے، اور حضرت معاویہ فتح مکہ کے بعد اسلام کی آغوش میں آئے۔

اسی طرح حضرت انس کی طرف یہ حدیث منسوب کی جاتی ہے کہ آنحضرتؐ حمام میں تہمند کے ساتھ نہاتے، اور اس سے انھوں نے یہ استدلال کیا کہ بغیر تہمند کے حمام میں داخل نہیں ہونا چاہیے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں سرے سے حمام کا تصور ہی پایا نہ جاتا تھا۔

۵۔ راوی کے مسلک و نظریات کی تائید! محدثین نے صحیح حدیث کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ اس سے راوی کے خاص عقائد کی تائید نہ ہوتی ہو۔ مثلاً خلافت کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں کسی کے بارے میں بھی کوئی نص منقول نہیں ہے۔ اب ایسی حدیث موضوع ہوگی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس سلسلے میں آنحضرتؐ نے کسی کا نام لیا ہے اور اپنے بعد خلافت کی ذمہ داریاں اس کو سونپی ہیں۔ کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو سقیفہ میں بحث و تمحیص نہ ہوتی۔ مزید برآں یہ مسئلہ اس درجہ اہم تھا کہ اس کو اسلامی معاشرے میں معلوم و مشہور ہونا چاہیے تھا، نہ یہ کہ کوئی بھولا راوی کبھی بھول سے روایت کرے اور اس پر اعتبار کر لیا جائے۔

اس زمرے میں وہ احادیث بھی داخل ہیں جو اُن قوموں اور فرقوں کی تائید و توثیق میں بیان کی گئی ہوں جو بعد میں پیدا ہوئے، جیسے مرجئہ وغیرہ۔

۶۔ ثواب و وعید کے بارے میں افراط۔ واعظ اور قصہ گو حضرات نے ایسی احادیث بھی بیان کی ہیں، جن میں معمولی عبادات کے بارے میں ثواب و فضائل کو حد سے بڑھا کر بیان کیا ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کے شوق کے داعی میں اضافہ ہو، جیسے یہ حدیث ہے:

من صلى الضحى كذا وكذا ركعة اعطى ثواب سبعين نبيا۔

جس نے چاشت کی نماز کی اس اس انداز سے ایک رکعت ادا کی اس کو ستر نبیوں کا ثواب ملے گا۔

یہ ہیں وہ پیمانے اور اصول جن کی روشنی میں صحیح اور موضوع حدیث کی پہچان میں مدد مل سکتی ہے۔ اس سے مستشرقین کا یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ محدثین نے صرف اسناد اور اس کے ضعف اور استواریوں ہی تو استیعاب کے ساتھ تعرض کیا ہے، لیکن ان عقلی معیاروں کو بیان نہیں کیا، جن سے معلوم ہو سکے کہ کون حدیث صحیح ہے اور کون اہل اہوا و زنادقہ کی بد نیتی کا نتیجہ ہے۔ ان پیمانوں کے علاوہ محدثین نے اس فنی ملکہ پر بھی اعتماد کیا ہے جو ان لوگوں میں پیدا ہو جاتا ہے جن کو حدیث سے شغف ہے، جنھوں نے اس کی تعلیم و تعلم میں عمریں صرف کی ہیں اور آنحضرت کی عادات و معمولات سے آشنائی حاصل کی ہے، یہ حدیث کو دیکھ کر بغیر اس کے کہ اس کی سند پر غور کریں، یہ کہہ دیتے ہیں:

هذا الحديث عليه ظلمة او متنه مظلم او ينكره القلب۔

یہ حدیث صاف نہیں، یا اس کا متن تاریک ہے، یا قلب سلیم اسے تسلیم نہیں کرتا۔

لیکن یہ استحقاق صرف انہی منجھے ہوئے اور فاضل محدثین کو حاصل تھا جنھوں نے اشاعت سنت کو اپنی زندگی کا مشن ٹھہرایا۔ عام علما کے ذوق پر اس بارے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت افصح العرب تھے، اور ان کے معمولات و شمائل حسن و اعتدال کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے تھے۔

اس بنا پر محدثین کے لیے محض ذوق اور ملکہ فنی کی بنا پر فیصلہ کن کچھ مشکل نہ تھا کہ جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ کس درجے کی ہے۔

یہی مطلب ہے ربیع بن خثیم کے اس قول کا:

ان من الحديث ضوءا كضوء النهار تعرفه به وان من الحديث ظلمة كظلمة الليل تعرفه بها۔

بعض حدیثیں ایسی روشن ہوتی ہیں، جیسے دن اور بعض ایسی تاریک ہوتی ہیں جیسے رات۔

قصہ گو واعظین اور زنادقہ نے جو موضوعات پھیلائیں ان کی حد تک فقہا اور محدثین نے

نشان دہی کی ہے۔ اس سلسلے میں جو کتابیں معرض وجود میں آئیں ان میں چند یہ ہیں:

۱۔ الموضوعات الکبریٰ: عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی کی تصنیف۔

۲۔ تذکرۃ الموضوعات: مصنفہ محمد بن طاہر بن علی بن احمد مقدسی۔

۳۔ اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ: مصنفہ حافظ جلال الدین سیوطی۔

۴۔ الاحادیث الموضوعہ التی یرد العامہ والقصاص: مصنفہ عبدالسلام بن عبداللہ ابن تیمیہ حرانی۔

۵۔ الباعث علی الخلاص من حوادث القصاص: مصنفہ زین الدین عبدالرحیم عراقی۔

۶۔ الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات: مصنفہ جوزقانی۔

۷۔ تذکرۃ الموضوعات: مصنفہ جمال الدین محمد بن طاہر پٹنی۔

۸۔ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ: مصنفہ قاضی شوکانی۔

۹۔ رسالہ فی الموضوعات وکتاب الضعفاء: مصنفہ حسن بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسمٰعیل القرشی العدوی عمری صغانی لاہوری۔

۱۰۔ اللآلی فی بیان کثیر من الاحادیث الشائعہ: مصنفہ علامہ سخاوی

۱۱۔ اللآلی المنثورہ فی الاحادیث المشہورہ مما الفہ الطبع ولیس لہ اصل فی الشرع: مصنفہ ابن حجر عسقلانی۔

۱۲۔ کتاب الموضوعات الکبریٰ والصغریٰ: مصنفہ ملا علی قاری۔

(ماخوذ السنۃ ومکانتہا)